ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.8.No.3 2025

"عالمگیر معیشت، کارپوریٹ طاقت اور ماحولیاتی بحران: ایک تنقیدی جائزہ ڈیوڈ کورٹن کی فکر کی روشنی میں"

☆منیر احمد
اسکالر پی۔ایچ۔ڈی، شُعبہ اُردو بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
Munirahmad31000@gmail.com
☆سید شاہزیب اقبال
بی ایس اارد واسکالر غازی یونیورسٹی ڈیرہ غازی خان
syedshahzabiqbal247@gmail.com
☆طوبیٰ خلیل
ایم فل اردو اسکالر وویمن یونیورسٹی ملتان
areehausmaan@gmail.com
☆فاطمہ کاظم
ایم۔فل اردو اسکالر شُعبہ،اُردو بہاالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
Fatimakazim788@gmail.com

Abstract:
This paper presents a critical examination of the global economic system, corporate power, and the environmental crisis through the lens of David Korten's thought. In an era marked by technological advancement and apparent progress, the human race faces growing socio-economic inequality, ecological degradation, and democratic decline. Korten challenges the dominant narrative of neoliberal globalization and exposes the structural flaws of a profit-driven, corporate-led economy. Contrasting sharply with Alvin Toffler's optimistic vision of the information age, Korten sees the centralization of power and disconnection from nature as symptoms of systemic failure. The study analyzes how corporate influence shapes political, economic, and cultural life, leading to widespread social alienation and environmental collapse. Korten's advocacy for a "life-centered" economy rooted in local self-reliance, moral responsibility, and spiritual renewal offers a compelling alternative framework. This research underscores the need for systemic transformation that prioritizes human dignity, ecological balance, and community well-being over short-term profits.

Keywords:
Global Economy, Corporate Power, Environmental Crisis, David Korten, Consumerism, Inhumane Economy, Local Self-Reliance, Spiritual Awakening, Social Justice, Alternative Development Models, Information Economy, Capitalist System, Democracy and Media, Eco-friendly Economy, Ideological Critique.

اکیسویں صدی میں انسانی تہذیب اپنی ترقی کے بام عروج پر نظر آتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس پر کئی سنگین بحران بھی سایہ فگن ہیں۔ دنیا بھر میں ماحولیاتی تباہی، معاشی ناہمواری، سماجی اضطراب، اور سیاسی بے یقینی ایک مسلسل اور ہمہ گیر رجحان کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ ان تمام مظاہر کے پس پردہ اگر کوئی بنیادی عنصر کارفرما ہے تو وہ موجودہ عالمی معاشی نظام ہے، جو بظاہر ترقی، سہولت اور آزادی کا نمائندہ ہے، لیکن حقیقتاً ایک ایسے کارپوریٹ ڈھانچے پر قائم ہے جو انسان اور فطرت دونوں کے لیے تباہ کن ثابت ہو رہا ہے۔

ان بحرانوں کے حوالے سے مغربی دنیا میں کئی مفکرین نے گہرے تنقیدی زاویے پیش کیے ہیں، جن میں ڈیوڈ کورٹن (David Korten) نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ نہ صرف ایک ماہرِ معاشیات ہیں بلکہ ایک معاشرتی مصلح اور نظریاتی ناقد کے طور پر بھی جانے جاتے ہیں۔ ان کی تحریریں، خاص طور پر *When Corporations*

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

Rule the World، آج کے عالمی منظر نامے کو سمجھنے کے لیے نہایت اہم اور بصیرت افروز ہیں۔ پروفیسر انور جمال کے مطابق: "موجودہ عالمی معیشت دراصل ایک "غیر انسانی نظام" ہے، جس میں انسان کا وقار، فطرت کی حرمت، اور معاشرتی عدل سب کچھ سرمایہ اور منافع کی بھینٹ چڑھ چکا ہے۔"(1)

اس مقالہ کا بنیادی مقصد عالمگیر معیشت، کارپوریٹ طاقت اور ماحولیاتی بحران کے باہمی تعلق کو ڈیوڈ کورٹن کی فکر کی روشنی میں سمجھنا اور پرکھنا ہے۔ یہ جائزہ محض سطحی نہیں، بلکہ ایک تنقیدی اور تجزیاتی سطح پر ہوگا، جس میں ہم کورٹن کی فکر کو ایلون ٹافلر کی "موج سوم (The Third Wave) " جیسے ترقی پسند نظریات کے تناظر میں بھی رکھیں گے۔ ٹافلر نے معلوماتی انقلاب اور ٹیکنالوجی کو انسانی ترقی کا ناگزیر پہلو قرار دیا تھا، جب کہ کورٹن اسے ایک خطرناک غیر متوازن تبدیلی گردانتے ہیں، جس نے طاقت کو چند ہاتھوں میں مرتکز کر دیا ہے۔

اس تحقیق میں چند اہم سوالات کو بنیاد بنایا گیا ہے تاکہ ڈیوڈ کورٹن کی فکر کی گہرائی اور اس کی عصری معنویت کو سمجھا جا سکے۔ سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ڈیوڈ کورٹن کے نزدیک عالمگیر معیشت کی ساخت، اس کے بنیادی خدوخال، اور اس کے پیچھے کارفرما نظریاتی محرکات کیا ہیں۔ یہ سوال اس لیے اہم ہے کہ موجودہ گلوبلائزڈ نظام کو اگر تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے تو اس کے بنیادی تصورات کو سمجھنا ناگزیر ہے۔ اس کے بعد یہ دیکھا جائے گا کہ کارپوریٹ طاقت کس طرح عالمی سیاسی، سماجی، اور ماحولیاتی نظاموں پر اثرانداز ہو رہی ہے۔ یہاں پر ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ کیسے سرمایہ اور ادارہ جاتی گرفت عوامی اور فطری مفادات کو پس پشت ڈال دیتی ہے۔

ماحولیاتی بحران بھی اس تحقیق کا ایک مرکزی نکتہ ہے، لہٰذا یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کورٹن اس بحران کو کس زاویے سے دیکھتے ہیں اور ان کے نزدیک اس کے ممکنہ حل کیا ہو سکتے ہیں۔ مزید یہ کہ تحقیق اس نکتہ پر بھی روشنی ڈالے گی کہ ایلون ٹافلر اور کورٹن کی فکر میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے یا دونوں کے درمیان کوئی بنیادی تضاد ہے۔ آخر میں تحقیق اس سوال کی طرف متوجہ ہو گی کہ ڈیوڈ کورٹن کس قسم کے متبادل معاشی و سماجی نظام کی وکالت کرتے ہیں، اور وہ کن اصولوں پر قائم ہوتے ہیں۔

جس کا مقصد نہ صرف موجودہ نظام کی خامیوں کو اجاگر کرنا ہے بلکہ ایک ایسا متبادل تصور پیش کرنا بھی ہے جو انسانی وقار، فطرت کی سلامتی، اور سماجی انصاف پر مبنی ہو۔ ڈیوڈ کورٹن کی فکر ہمیں اس پیچیدہ دنیا کے لیے ایک نیا نظریاتی زاویہ فراہم کرتی ہے، جو اس تحقیق کا محور و مرکز ہے۔

ڈیوڈ کورٹن کا فکری سفر ایک دلچسپ اور متنوع ارتقائی مرحلہ ہے، جو امریکی اقدار سے وابستہ ایک کاروباری ماحول سے شروع ہوتا ہے اور ایک شدید ناقد کے طور پر عالمی معاشی نظام کی تفہیم پر منتج ہوتا ہے۔ ان کی پرورش امریکہ کی ریاست واشنگٹن کے ایک چھوٹے قصبے میں ہوئی، جہاں وہ ایک روایتی متوسط طبقے کے تجارتی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا پس منظر معاشی ترقی، فرد کی خود مختاری، اور امریکی خواب پر استوار تھا۔ ابتدائی طور پر وہ امریکی طرزِ زندگی کو دنیا بھر کے لیے ایک آئیڈیل ماڈل سمجھتے تھے۔

ان کی تعلیم کا آغاز اسٹینفورڈ یونیورسٹی سے ہوا، جہاں انھوں نے نفسیات میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اس دوران ان کا رجحان انسانی رویوں کے مطالعے اور سماجی تغیرات کے فہم کی طرف بڑھا۔ تاہم، ایک کورس——جو جدید انقلابات کے مطالعے پر مبنی تھا——نے ان کی فکری دنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔ اس کورس کے مطالعے سے انھیں اندازہ ہوا کہ ترقی، جیسا کہ اسے مغربی ماڈلز میں پیش کیا جاتا ہے، دراصل دنیا کے بیشتر حصوں میں غربت، ماحولیاتی تباہی اور سماجی ناہمواری کا موجب بن رہا ہے۔

کورٹن نے ترقیاتی معیشت میں ایم بی اے اور بعد ازاں پی ایچ ڈی مکمل کی تاکہ وہ پالیسی سازی میں مؤثر کردار ادا کر سکیں۔ ان کا عملی میدان ابتدا میں بین الاقوامی ترقیاتی ادارے، خاص طور پر یو ایس ایڈ (USAID) ، اور عالمی بینک جیسے ادارے تھے۔ انھوں نے ایتھوپیا، لاطینی امریکہ، فلپائن، ویتنام اور دیگر ترقی پذیر خطوں میں کام کیا، جہاں انھیں اس امر کا مشاہدہ ہوا کہ ان اداروں کی پالیسیاں اکثر مقامی لوگوں کے مفادات کے بجائے کارپوریٹ اور مغربی سرمایہ دارانہ ایجنڈے کو تقویت دیتی ہیں۔

یہ تجربات ان کے اندر ایک ایسی فکری بیداری کا باعث بنے جس نے انھیں مغربی ترقیاتی ماڈل سے بدظن کر دیا۔

"ہم نے ترقی کو ایک ایسا عمل سمجھ لیا ہے جس میں انسان صرف منافع کے حصول کا ذریعہ ہے، نہ کہ خود ترقی کا مقصد۔"(2)

یہ سوچ انھیں بتدریج ایک تنقیدی ماہرِ معاشیات اور سماجی مصلح کے قالب میں ڈھالتی گئی، جو موجودہ نظام کی اندرونی تضادات کو اجاگر کرتا ہے۔

کورٹن کی تحریروں کا نقطۂ آغاز وہ لمحہ ہے جب انھوں نے محسوس کیا کہ ترقی کا موجودہ پیمانہ——جیسے جی ڈی پی اور سرمایہ کاری کے رجحانات——نہ صرف انسانی فلاح سے کٹا ہوا ہے، بلکہ فطرت کو بھی تباہی کی طرف لے جا رہا ہے۔ ان کا بنیادی مؤقف یہ ہے کہ معاشی ترقی کو اگر صرف منافع کے ذریعے ناپا جائے تو یہ ترقی انسانی اور اخلاقی بنیادوں سے محروم ہو جاتی ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

انھوں نے اس تناظر میں "When Corporations Rule the World" اور "The Great Turning" جیسی کتابیں تصنیف کیں، جن میں انھوں نے اس سرمایہ دارانہ نظام کے اصولی نقائص کو اجاگر کیا۔ وہ معاشی ترقی کو "روح سے خالی ترقی (soulless development) "قرار دیتے ہیں، جس میں نہ انسان کی باطنی تسکین ہے، نہ کمیونٹی کی فلاح، اور نہ فطرت سے کوئی ہم آہنگی۔

ڈیوڈ کورٹن کے ہاں محض معاشی نظام کی تنقید نہیں، بلکہ وہ انسانی روح، سماجی ہم آہنگی اور اخلاقی بنیادوں پر قائم نظام زندگی کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک:

"ہمیں اپنی روحانیت، مقامی معاشرت، اور فطرت سے جڑے رشتے کو دوبارہ بحال کرنا ہوگا۔"(3)

کورٹن نے واضح کیا ہے کہ وہ معاشرہ جو صرف بازار پر انحصار کرے، دراصل ایک بانجھ اور غیر فطری معاشرہ ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اصل ترقی وہی ہے جو انسان کو اس کی مقامی کیمونٹی، اقدار اور روحانیت سے جوڑتی ہے، نہ کہ ایک گلوبلائزڈ، بے چہرہ اور غیر ذمے دار مالیاتی نظام سے۔

کورٹن کا فکری سفر ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ حقیقی تبدیلی محض نظریاتی تبدیلی نہیں بلکہ عملی مشاہدے اور ضمیر کی بیداری کا نتیجہ ہے۔ ان کی فکر میں مقامی خودانحصاری، اخلاقی معیشت، اور فطرت سے تعلق بنیادی اقدار کے طور پر سامنے آتی ہیں۔ وہ صرف ایک ماہر معاشیات نہیں، بلکہ ایک انسانی معاشرے کے اخلاقی معمار بھی ہیں۔

عالمگیر معیشت (Global Economy) بظاہر ایک ایسا ڈھانچہ ہے جو ترقی، خوشحالی اور باہمی تعاون کا دعویٰ کرتا ہے، لیکن ڈیوڈ کورٹن کی نگاہ میں یہ محض ایک **نظری فریب** ہے۔ اس نظام کا اصل مقصد منافع کی زیادہ سے زیادہ پیداوار ہے، نہ کہ انسانی فلاح یا قدرتی توازن کا تحفظ۔ کورٹن کے مطابق یہ معیشت ایسے ادارہ جاتی نظام پر مشتمل ہے جس میں **کارپوریٹ طاقتیں** ریاستی اختیارات، مالیاتی پالیسیوں اور سماجی اداروں کو کنٹرول کر کے ایک ایسے عالمی معاشی نظام کو تشکیل دے چکی ہیں جو چند بڑے مفادات کے گرد گھومتا ہے۔

وہ اس نظام کو "**غیر انسانی معیشت**" کہتے ہیں، جو فطرت کو ایک سرمایہ دارانہ منڈی کے جزو کے طور پر دیکھتی ہے، اور انسان کو صرف ایک صارف یا محنت کش کے طور پر استعمال کرتی ہے۔ اس میں اخلاقیات، کیمونٹی، اور روحانی قدریں ثانوی ہو چکی ہیں۔

موجودہ عالمی معیشت ایک ایسی ساخت پر قائم ہے جس کے چار بنیادی ستون اسے مسلسل قلیل مدتی منافع کے تعاقب میں مصروف رکھتے ہیں، جبکہ انسانی فلاح اور ماحولیاتی توازن جیسے اصول پس منظر میں چلے جاتے ہیں۔ سب سے پہلا ستون **سرمایہ پر مبنی پیداوار** ہے، جہاں کارپوریٹ ادارے دنیا بھر کی پیداوار کے مراکز بن چکے ہیں۔ ان اداروں کا مقصد صرف زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنا ہے، خواہ اس کے لیے فطرت، انسان یا سماج کو قربان کیوں نہ کرنا پڑے۔

دوسرا ستون **ریاستی تابع داری** پر مشتمل ہے۔ کورٹن وضاحت کرتے ہیں کہ حکومتیں اب عوام کی فلاح و بہبود کو ترجیح دینے کے بجائے کارپوریشنز کے مفادات کے مطابق پالیسیاں مرتب کرتی ہیں۔ تعلیم، صحت، اور میڈیا جیسے حساس شعبے بھی نجی مفاد کے تحت چلائے جا رہے ہیں، جس سے جمہوریت کی روح متاثر ہو رہی ہے۔ تیسرا ستون ہے **ذرائع ابلاغ پر قبضہ**، جہاں میڈیا کا بنیادی کردار معلوماتی تعلیم یا تنقیدی آگاہی فراہم کرنے کے بجائے صارفیت اور تفریح کی تشہیر تک محدود ہو چکا ہے۔ اس سے صارف کی حیثیت مستحکم ہوتی ہے، مگر فرد کی حیثیت کمزور پڑ جاتی ہے۔

چوتھا اور سب سے خطرناک ستون **مالیاتی نظام کی قیاس آرائی** ہے، جس میں معیشت کی بنیاد حقیقی پیداوار کے بجائے speculative economy پر رکھ دی گئی ہے۔ سرمایہ اب کسی پیداواری عمل میں نہیں بلکہ قیاس آرائی، اسٹاک مارکیٹس، اور کرنسیوں کی تیز رفتار خرید و فروخت میں مشغول ہے۔ یہ تمام عناصر مل کر ایک ایسے نظام کی تشکیل کرتے ہیں جس میں وقتی منافع کو طویل المدتی انسانی اور ماحولیاتی بہبود پر ترجیح دی جاتی ہے۔ کورٹن اس رجحان کو غیر اخلاقی اور غیر فطری قرار دیتے ہیں، جو دنیا کو اجتماعی تباہی کی طرف لے جا رہا ہے۔

کورٹن نے معاشی افزائش (economic growth) کے تصور کو بھی سختی سے چیلنج کیا ہے۔ ان کے مطابق:

"ہماری دنیا کی کامیابی کو ایسے اشاریے سے ناپا جا رہا ہے جو آلودگی، بیماری، اور آفات کو بھی ترقی تصور کرتا ہے۔"(4)

جی ڈی پی (Gross Domestic Product) درحقیقت مالیاتی لین دین کی مجموعی قدر ناپتا ہے، نہ کہ خوشی، سکون، صحت یا انسانی فلاح کی پیمائش کرتا ہے۔ اگر ایک جنگل جل جائے اور اس کی بحالی پر خرچ ہو، یا بیماریاں بڑھیں اور دواؤں کی فروخت بڑھے، تو یہ بھی جی ڈی پی میں اضافہ شمار ہوتا ہے۔ ایسے میں، یہ اشاریہ انسانی ترقی کی درست تصویر پیش نہیں کرتا۔

کورٹن نے بارہا اس بات پر زور دیا ہے کہ **مقامی معیشتیں** زیادہ پائیدار، انسان دوست اور ماحولیاتی لحاظ سے ہم آہنگ ہوتی ہیں۔ عالمگیر معیشت، مقامی خود انحصاری کو ختم کر کے ایک **مرکزی سرمایہ دارانہ نظام** نافذ کرتی ہے، جو مقامی ثقافتوں، وسائل اور معیشتوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ ان کے مطابق:

"جب تک ترقی کی سمت اوپر سے نیچے کی بجائے نیچے سے اوپر نہیں ہوگی، تب تک پائیدار ترقی ممکن نہیں"۔(5)

یہ نکتہ ترقی پذیر دنیا، خاص طور پر **عالمی جنوب (Global South)** کے لیے انتہائی اہم ہے، جہاں عالمی مالیاتی ادارے اور کارپوریشنز مقامی معیشتوں کو پسماندگی اور انحصار میں مبتلا رکھتے ہیں۔

ایلون ٹافلر نے "تیسری لہر" کے تصور میں جس **معلوماتی معیشت** (Information Economy) کا خاکہ پیش کیا تھا، کورٹن اس پر تنقیدی نگاہ رکھتے ہیں۔ ٹافلر کے نزدیک یہ معیشت ترقی کا نیا دور تھی— لیکن کورٹن کے مطابق یہ معیشت اب **کارپوریٹ اجارہ داری** کا شکار ہو چکی ہے۔ گویا، جو امکانات فرد، علم، اور آزادی کے نام پر کھولے گئے تھے، وہ اب **مارکیٹ کی غلامی** میں تبدیل ہو چکے ہیں۔

ٹافلر نے جس مابعد صنعتی عہد کو ناگزیر سمجھا، کورٹن اس کی پشت پر موجود طاقت کے ارتکاز اور فطرت سے بیگانگی کو خطرہ سمجھتے ہیں۔ یہی نکتہ اس مضمون کی فکری جہت کو واضح کرتا ہے— کہ کس طرح ایک ہی عہد کو مختلف زاویوں سے دیکھا جا سکتا ہے: ایک بطور ترقی، دوسرا بطور تنزلی۔

ڈیوڈ کورٹن کے مطابق کارپوریشنز کا کردار محض کاروباری اداروں کا نہیں رہا بلکہ وہ **سیاسی، معاشرتی، اور ماحولیاتی زندگی** پر مکمل تسلط حاصل کر چکی ہیں۔ یہ ادارے اب ریاستوں سے زیادہ طاقتور اور اثرانداز ہو چکے ہیں۔ ان کا فیصلہ نہ صرف مارکیٹ بلکہ انسانی زندگی، صحت، تعلیم، اور حتیٰ کہ جمہوریت کے مستقبل پر بھی اثر ڈالتا ہے۔

کورٹن کارپوریشنز کو "غیر جمہوری ادارے" قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کا نہ کوئی اخلاقی دائرہ ہوتا ہے اور نہ ہی ان پر عوامی احتساب کا کوئی نظام لاگو ہوتا ہے۔ وہ صرف اپنے اسٹاک ہولڈرز کے منافع کو مد نظر رکھتے ہیں، نہ کہ معاشرے کی بہتری یا فطرت کی حفاظت کو۔

کورٹن کے تجزیے کے مطابق کارپوریٹ طاقت کی ساخت ایک مربوط نظام پر مبنی ہے جو چار کلیدی عناصر کے گرد گھومتی ہے۔ سب سے پہلا عنصر ہے **مرکزیت اور انضمام** (Centralization & Mergers)، جس کے ذریعے بڑی کارپوریشنز مسلسل چھوٹی کمپنیوں کو خرید کر یا ضم کر کے مارکیٹ پر اجارہ داری قائم کر لیتی ہیں۔ اس عمل سے نہ صرف مارکیٹ میں حقیقی مسابقت کا خاتمہ ہوتا ہے بلکہ صارفین کے لیے انتخاب کے مواقع بھی محدود ہو جاتے ہیں، جس سے صارف کا اختیار غیر محسوس طریقے سے چھن جاتا ہے۔

دوسرا عنصر ہے **مالیاتی تسلط** (Financial Domination)، جس میں بڑے کارپوریٹ ادارے سرمایہ کاری فنڈز، بینکنگ نظام اور قرضوں کی پالیسیوں پر قابض ہو کر پوری معیشت کی سمت کو طے کرتے ہیں۔ وہ کس شعبے میں سرمایہ کاری ہو، کن صنعتوں کو سہارا دیا جائے، اور کن ممالک کو قرض فراہم کیا جائے— یہ تمام فیصلے کارپوریشنز کے مالیاتی مفادات کو مدِ نظر رکھ کر کیے جاتے ہیں، نہ کہ سماجی یا ماحولیاتی ضرورتوں کو۔

تیسرا اہم عنصر **سیاسی اثر و رسوخ** (Political Influence) ہے۔ کارپوریٹ لابیز قانون سازی کے عمل پر براہِ راست اثرانداز ہوتی ہیں۔ وہ انتخابی مہمات کی فنڈنگ، تھنک ٹینکس کی سرپرستی، اور پالیسی سازوں سے قریبی روابط کے ذریعے اپنے ایجنڈے کو قانون کا درجہ دلوانے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ یوں، جمہوری نظام ظاہری طور پر باقی رہتا ہے لیکن اس کا باطن کارپوریٹ مفادات کے تابع ہو جاتا ہے۔

چوتھا اور نہایت طاقتور عنصر ہے **میڈیا پر کنٹرول** (Media Ownership)۔ کارپوریٹ ادارے ذرائع ابلاغ کے بڑے حصے کے مالک ہیں، جنہیں وہ اپنی مصنوعات، نظریات اور صارف پر مبنی طرزِ زندگی کو فروغ دینے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس کنٹرول کا مطلب یہ ہے کہ عوام کو جو معلومات میسر آتی ہیں وہ بھی ایک خاص تناظر میں پیش کی جاتی ہیں، جو آزادیِ رائے اور شعور کی نشوونما کے بجائے مارکیٹ کی غلامی کو فروغ دیتی ہیں۔

کورٹن ان چار عناصر کو محض معاشی یا تجارتی تدابیر نہیں سمجھتے بلکہ ایک مکمل نظامی طاقت کے اجزاء تصور کرتے ہیں، جو معاشروں کو اندر سے بدل کر ایک صارفیت زدہ، بے روح، اور غیر جمہوری شکل دے دیتا ہے

جمہوریت کا زوال کے بارے میں کورٹن لکھتے ہیں کہ:

"ہماری حکومتیں، جو کبھی عوام کی نمائندہ تھیں، اب عالمگیر اداروں کے اشارے پر چلتی ہیں۔"(6)

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

عوامی اقتدار، جو جمہوریت کی بنیاد ہوتا ہے، رفتہ رفتہ **کارپوریٹ بورڈ رومز** کو منتقل ہو چکا ہے۔ پالیسی سازی کا عمل اب عوامی مشاورت سے نہیں بلکہ نجی مفادات کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اس تبدیلی کے نتیجے میں ریاستوں کا اصل مقصد عوام کی بہبود کے بجائے کارپوریٹ مفادات کا تحفظ بن چکا ہے۔

عالمی ماحولیاتی بحران صرف چند سائنسی یا قدرتی عوامل کا نتیجہ نہیں، بلکہ ایک **نظامی پیداوار** ہے۔ ڈیوڈ کورٹن کے مطابق یہ بحران اس **سرمایہ دارانہ معیشت** کی ناگزیر پیداوار ہے جو صرف منافع کو بنیاد بناتی ہے اور فطرت کو استحصال کا ذریعہ سمجھتی ہے۔ وہ اس معیشت کو ایک ایسا "نظامی ہتھیار" قرار دیتے ہیں جو زمین کے قدرتی توازن کو رفتہ رفتہ تباہ کر رہا ہے۔

ماحولیاتی تبدیلی، حیاتیاتی تنوع کی کمی، آلودگی، گلوبل وارمنگ اور جنگلات کی کٹائی—یہ سب ایک ایسے صنعتی ڈھانچے کے نتائج ہیں جس میں فطرت سے بیگانگی اور **قلیل مدتی مالیاتی مفاد** مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔

موجودہ صنعتی سرمایہ دارانہ نظام ماحولیاتی بحران کا بنیادی سبب ہے۔ ان کے نزدیک یہ نظام محض پیداوار یا ترقی کا ماڈل نہیں بلکہ ایک ایسا استحصالی ڈھانچہ ہے جو زمین، فطرت، اور معاشرتی ڈھانچوں کو منافع کی بھینٹ چڑھاتا ہے۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ صنعتی پیداوار میں قدرتی وسائل کا **بے دریغ استعمال** ہوتا ہے، گویا زمین صرف ایک ذخیرہ ہے جس سے جتنا چاہیں نکال لیا جائے۔ اس کے علاوہ، معیشت کا جو ماڈل غالب ہے وہ **کاربن پر انحصار** کرتا ہے—یعنی ماحول دوست توانائی کے بجائے ایندھن، کوئلہ اور گیس پر مبنی توانائی کے ذرائع پر انحصار بڑھتا جا رہا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ کورٹن اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ بڑے ترقیاتی منصوبے اکثر **مقامی ماحولیاتی توازن** کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ منصوبے بناتے وقت وہاں کے قدرتی نظام، مقامی آبادی، اور ثقافتی سیاق و سباق کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ اس رجحان سے ماحولیاتی نظام کو مستقل خطرات لاحق ہوتے ہیں۔ مزید برآں، کارپوریٹ مفادات کی خاطر **ماحولیاتی ضوابط کو یا تو کمزور کر دیا گیا ہے یا ان پر عملدرآمد کو غیر مؤثر بنا دیا گیا ہے**، تاکہ کارپوریشنز اپنی سرگرمیاں بغیر کسی روک ٹوک کے جاری رکھ سکیں۔

کورٹن اس پورے نظام کو فطرت کے قوانین کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق موجودہ نظام نے زمین کو ایک ایسی "مارکیٹ شے" میں تبدیل کر دیا ہے جس پر صرف چند اداروں کو ملکیت اور منافع کا حق حاصل ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قدرتی وسائل، جو تمام انسانیت کا مشترکہ ورثہ ہیں، اب چند کارپوریٹ اداروں کے قبضے میں آ چکے ہیں۔ یہ منظرنامہ ماحولیاتی تباہی کے ساتھ ساتھ اخلاقی بحران کو بھی جنم دیتا ہے۔ کورٹن نے روایتی ترقی کے تصور پر شدید تنقید کی ہے۔ ان کے مطابق:

> "ترقی وہ نہیں جو جی ڈی پی کو بڑھائے، بلکہ وہ ہے جو انسانی فلاح، کمیونٹی کے استحکام اور فطرت کے احترام پر مبنی ہو۔"(7)

موجودہ ترقیاتی ماڈل ماحولیاتی استحکام کو قربان کر کے ایسی "مصنوعی ترقی" پیدا کرتا ہے جس میں زمینی وسائل تیزی سے ختم ہو رہے ہیں اور مستقبل کی نسلوں کو خطرے میں ڈال دیا گیا ہے۔

کورٹن نے ماحولیاتی بحران کا حل محض **ٹیکنالوجی یا بین الاقوامی معاہدوں** میں نہیں بلکہ ایک **نئے معاشی اور اخلاقی فریم ورک** میں تلاش کیا ہے:

کورٹن اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ترقی کی بنیاد **مقامی سطح پر قائم وسائل** اور کمیونٹیز پر ہونی چاہیے، تاکہ لوگ اپنے ماحول کی ضروریات اور حدود کو سمجھ کر ترقی کے عمل میں شامل ہوں۔

> "ترقی کا تعلق لوگوں کی اس صلاحیت سے ہے جو وہ اپنے علاقے کے وسائل کو کنٹرول کر کے اپنی ضروریات پوری کرنے میں بروئے کار لاتے ہیں"۔(8)

کورٹن کے نزدیک **معیشت** کا مقصد محض منافع نہیں ہونا چاہیے بلکہ وہ انسانی زندگی کو مرکزِ توجہ بنانے پر زور دیتے ہیں۔ ان کی تجویز کردہ **معیشت** ایسی ہونی چاہیے جو قدرتی وسائل کے تحفظ کو یقینی بنائے، مقامی ضروریات کو اولین درجہ دے، اور انسانی وقار، صحت اور روحانیت کو فروغ دے۔ ان کے مطابق ترقی کا وہی ماڈل پائیدار ہو سکتا ہے جو نہ صرف اقتصادی بلکہ اخلاقی اور ماحولیاتی اصولوں پر استوار ہو۔ کورٹن ایک ایسی دنیا کا تصور پیش کرتے ہیں جہاں معیشت انسان کی خدمت گزار ہو، نہ کہ اس پر غالب۔

اس وژن کا ایک اہم جزو **روحانی بیداری** ہے۔ کورٹن کا ماننا ہے کہ ماحولیاتی بحران کی جڑیں صرف معیشت یا صنعتی نظام میں نہیں بلکہ انسان کے شعور کی گہرائیوں میں موجود **روحانی بیگانگی** میں پیوست ہیں۔ ان کے الفاظ میں:

"جب تک ہم فطرت سے اپنا روحانی رشتہ بحال نہیں کریں گے، تب تک ماحول کی حقیقی حفاظت ممکن نہیں ہو گی۔"(9)

یہ نکتہ ہمیں جدید سائنسی ماڈلز سے ہٹ کر ایک جامع، انسانیت پر مبنی ماحولیاتی فکر کی جانب لے جاتا ہے، جہاں فطرت کو نہ صرف ایک وسیلہ بلکہ ایک روحانی اور اخلاقی رشتہ تصور کیا جاتا ہے۔

کورٹن اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ حقیقی تبدیلی اوپر سے نہیں بلکہ نیچے سے آئے گی۔ یعنی عالمی ادارے، حکومتیں یا کارپوریشنز ماحولیاتی اور سماجی مسائل کو صرف اپنی محدودات میں دیکھتی ہیں، جبکہ اصل قوت **سول سوسائٹی، شہری تنظیموں، اور مقامی کمیونٹیز** کے ہاتھ میں ہے۔ وہ سول سوسائٹی کو وہ قوت قرار دیتے ہیں جو انسان، فطرت اور معیشت کے درمیان توازن قائم کر سکتی ہے۔ یہ نظریہ انہیں صرف ایک ماہر معیشت نہیں بلکہ ایک سماجی مصلح کے طور پر بھی ممتاز کرتا ہے۔

ڈیوڈ کورٹن اس رجحان کو یکسر مختلف زاویے سے دیکھتے ہیں۔ ان کے مطابق ٹافلر کی "تیسری لہر" بظاہر ترقی کا غلاف اوڑھے ہوئے ہے، لیکن اس کے پیچھے **طاقت کے نئے مراکز** جنم لے رہے ہیں — ایسے مراکز جو ڈیجیٹل ٹیکنالوجی، مالیاتی اثاثوں، اور عالمی انفراسٹرکچر کو کنٹرول کرتے ہیں۔ کورٹن کے نزدیک یہ تبدیلی فرد کی آزادی نہیں، بلکہ **نئی غلامی** کا راستہ ہموار کر رہی ہے۔

ان کا مؤقف ہے کہ جب علم، معلومات، اور مواصلات پر کارپوریشنز قابض ہو جائیں، تو وہ **شعور کی تشکیل** کے ذریعے انسانی رویے اور جمہوری فیصلوں کو بھی کنٹرول کرنے لگتی ہیں۔ اس تبدیلی میں فرد کے "اختیار" کی بجائے **برینڈڈ طرزِ زندگی** اور ڈیجیٹل نگرانی جیسے مظاہر غالب آجاتے ہیں۔

ڈیوڈ کورٹن اور ایلون ٹافلر کے درمیان بنیادی نظریاتی فرق خاص طور پر اس وقت واضح ہوتا ہے جب ہم معلوماتی انقلاب، ٹیکنالوجی، فرد، حکومت اور معیشت جیسے موضوعات کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔ ٹافلر معلوماتی انقلاب کو ایک فطری، ارتقائی اور مثبت تبدیلی کے طور پر دیکھتے ہیں جو انسان کو نئی آزادیوں اور امکانات سے روشناس کراتی ہے۔ اس کے برعکس، کورٹن اسے ایک مصنوعی اور اجارہ دار تبدیلی تصور کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں طاقت مزید محدود ہاتھوں میں مرتکز ہو جاتی ہے۔

ٹیکنالوجی کے حوالے سے بھی دونوں مفکرین کا زاویۂ نظر جدا ہے۔ ٹافلر ٹیکنالوجی کو انسانی آزادی کا وسیلہ سمجھتے ہیں، جب کہ کورٹن کے نزدیک یہی ٹیکنالوجی طاقت کے ارتکاز اور انسانی اختیار کے زوال کا ذریعہ بن چکی ہے۔ اسی طرح، فرد کی حیثیت بھی دونوں کے ہاں مختلف ہے: ٹافلر کے ہاں فرد خود مختار، باخبر اور فیصلہ ساز ہے، جب کہ کورٹن کے نزدیک موجودہ نظام نے فرد کو صرف ایک "صارف" میں محدود کر دیا ہے جو مارکیٹ اور میڈیا کے ہاتھوں کنٹرول ہو رہا ہے۔

حکومتی نظام کے بارے میں ٹافلر پر امید ہیں کہ نئی دنیا میں حکومتیں زیادہ مؤثر، شفاف اور لچکدار ہو جائیں گی، جب کہ کورٹن اس بات پر زور دیتے ہیں کہ حکومتیں اب کارپوریٹ تسلط کے باعث اپنی خود مختاری اور عوامی نمائندگی سے محروم ہو چکی ہیں۔ آخر میں معیشت کا تصور بھی دونوں کے ہاں مختلف ہے: ٹافلر اسے ڈیجیٹل، متحرک اور متنوع قرار دیتے ہیں، جب کہ کورٹن کے مطابق یہ معیشت غیر اخلاقی، غیر جمہوری اور غیر انسانی اصولوں پر مبنی ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ دونوں مفکرین **صنعتی نظام کی محدودات پر** متفق ہیں۔ ٹافلر نے اس نظام کو فرسودہ قرار دیا، جو فرد کو ایک مشین کا پرزہ بناتا ہے۔ کورٹن نے بھی یہی نکتہ اٹھایا لیکن اسے **ماحولیاتی اور اخلاقی سطح** پر دیکھا۔ ان کے مطابق صنعتی نظام نہ صرف انسان بلکہ فطرت کو بھی "کارکردگی" کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے۔

جدید دنیا جسے "نیٹ ورک سوسائٹی" اور "ڈیجیٹل معیشت" کہا جاتا ہے، وہ ٹافلر کے تصور سے بھی زیادہ پیچیدہ اور خطرناک ہے۔ اس میں **معلوماتی برتری**، ڈیجیٹل کرنسی، اور کلاؤڈ سرمایہ کاری جیسے عناصر کارپوریشنز کے اختیار میں آ چکے ہیں۔ یوں ٹیکنالوجی کا جو خواب ٹافلر نے آزادی کے طور پر دیکھا، وہ کورٹن کی نگاہ میں **تسلط، اجارہ داری اور ماحولیاتی تباہی** کا نیا چہرہ بن چکا ہے۔

اگرچہ دونوں مفکرین مختلف زاویوں سے بات کرتے ہیں، لیکن دونوں کی فکر میں ایک **مشترکہ خواہش** موجود ہے: ایک ایسا نظام جو انسان کو مرکزی حیثیت دے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ٹافلر اس تبدیلی سے **امید** رکھتے ہیں، جب کہ کورٹن **خبردار** کرتے ہیں کہ اگر اقدار، اخلاقیات اور مقامی خود مختاری کو بنیادی اہمیت نہ دی گئی، تو یہ تبدیلی بھی نئی غلامی کا روپ دھار لے گی۔

ڈیوڈ کورٹن کے نزدیک جدید سرمایہ دارانہ نظام نے انسان کو محض **صارف** (consumer) میں تبدیل کر دیا ہے، جو کہ ایک گہری روحانی اور سماجی تنزلی کی علامت ہے۔ اس نظام میں انسان کا تعلق اپنے وجود، فطرت، اور معاشرے سے کٹ کر رہ گیا ہے۔ انسان اب ایک برانڈ خریدنے والا، اشتہار سے متاثر ہونے والا اور فوری خواہشات کے پیچھے دوڑنے والا فرد بن چکا ہے، جو روحانی، سماجی اور اخلاقی خلا کا شکار ہے۔

کورٹن اس رجحان کو خطرناک سمجھتے ہیں کیونکہ یہ انسان کو **روحانی تنہائی، معاشرتی بیزاری** اور **ماحولیاتی بیگانگی** کی طرف لے جاتا ہے۔ ان کے بقول:

"دولت ہماری زندگی پر جتنی زیادہ حاوی ہوتی گئی ہے، اس روحانی بندھن کا احساس کم ہوتا چلا گیا ہے جو معاشرت کی بنیاد ہے اور فطرت کے ساتھ انسان کے ایک متوازن رشتے کی اساس ہے۔"(10)

موجودہ کارپوریٹ معیشت نے معاشرتی ہم آہنگی کو نہایت شدت کے ساتھ متاثر کیا ہے۔ یہ نظام، جو خود کو ترقی، آزادی اور مواقع کا علمبردار کہتا ہے، درحقیقت سماجی رشتوں کو کمزور کر کے ایک **تنہا، منقسم اور مسابقت زدہ معاشرہ** تشکیل دے رہا ہے۔ وہ اس حقیقت کی نشان دہی کرتے ہیں کہ آج کی دنیا میں **کمیونٹی کی جگہ مقابلہ بازی** نے لے لی ہے۔ افراد اب مشترکہ فلاح کے بجائے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لیے کوشاں ہیں، خواہ اس کی قیمت تعلقات، اعتماد یا انسانیت ہی کیوں نہ ہو۔
اسی طرح، جہاں پہلے **تعاون**، باہمی اشتراک اور اجتماعی ذمہ داری کی اقدار موجود تھیں، اب وہاں **خود غرضی** اور انفرادیت نے جگہ لے لی ہے۔ لوگ اپنی فلاح کی جدوجہد میں دوسروں کو نظرانداز کرنے لگے ہیں، جس سے معاشرتی ڈھانچہ اندر سے کمزور ہو گیا ہے۔ **مقامی ادارے اور روایتیں**، جو صدیوں سے لوگوں کو جوڑنے، سنوارنے اور ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرنے کا ذریعہ تھیں، آہستہ آہستہ ختم ہوتی جا رہی ہیں۔
اس سارے عمل کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ انسان اب صرف **ایک معاشی اکائی** (economic unit) بن کر رہ گیا ہے—ایسا پرزہ جو مشین میں صرف اس لیے نصب ہے کہ وہ پیداوار، منافع یا کھپت میں حصہ ڈالے۔ انسانی جذبات، تعلقات، اور اقدار ثانوی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ کورٹن کے نزدیک یہ عمل صرف اخلاقی انحطاط نہیں بلکہ **سماجی خودکشی** ہے، جس سے ایک پائیدار اور ہم آہنگ معاشرہ وجود میں آ ہی نہیں سکتا۔
اس کا نتیجہ ایک ایسا "انتشار زدہ معاشرہ" ہے جو نہ فطرت کے ساتھ ہم آہنگی میں ہے اور نہ اپنے افراد کے ساتھ۔ کورٹن کہتے ہیں:

"صحت مند معاشرہ ماحول کے ساتھ توازن میں زندہ رہنے کو آسان بناتا ہے، جبکہ انتشار زدہ معاشرہ اسے تقریباً ناممکن بنا دیتا ہے۔"(11)

جدید انسانی بحران کی سب سے گہری جڑ **روحانیت سے بیگانگی** ہے۔ وہ روحانیت کو مذہبی رسم و رواج تک محدود نہیں کرتے بلکہ اسے ایک وسیع تر وجودی شعور کے طور پر دیکھتے ہیں، جو انسان، فطرت اور کائنات کے درمیان ایک گہرے، غیر منقطع تعلق کو واضح کرتا ہے۔ ان کے نزدیک جب انسان اپنی حدود، فطرت کی اہمیت، اور اجتماعی فلاح کی معنویت کو سمجھتا ہے تو اس کا طرزِ عمل نہ صرف ماحولیاتی بلکہ سماجی اور معاشی سطح پر بھی توازن، ہم آہنگی اور ذمہ داری سے بھرپور ہوتا ہے۔
کورٹن کی نظر میں **روحانی بیداری** محض باطن کی کیفیت نہیں بلکہ ایک عملی، اخلاقی اور معاشرتی کیفیت ہے، جس کا مطلب ہے: فطرت سے جذباتی و روحانی وابستگی، دوسرے انسانوں کے ساتھ ہمدردی اور اشتراک، ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر اجتماعی بھلائی کی سوچ، اور زندگی کو کسی بڑی معنویت سے جوڑنا۔ یہی وہ روحانی بنیاد ہے جس پر ایک پائیدار اور بامعنی معاشرہ قائم کیا جا سکتا ہے۔
اسی تناظر میں کورٹن نے ایک **متبادل سماجی و معاشی نظام** کا تصور پیش کیا جسے وہ "Living Economies" یا "Life-Centered Society" کہتے ہیں۔ اس نظام کی بنیاد اس تصور پر ہے کہ معیشت انسان کے لیے ہو، نہ کہ انسان معیشت کے لیے۔ اس معاشرت کی نمایاں خصوصیات میں یہ شامل ہیں کہ انسانی وقار کو معیشت پر برتری حاصل ہو گی، ترقی کا مرکز مقامی کمیونٹیز ہوں گی، معاشی ادارے منافع کے بجائے عوامی فلاح کے تابع ہوں گے، اور ہمدردی، انکساری، اشتراک اور سچائی جیسی روحانی اقدار کو مرکزیت حاصل ہو گی۔
کورٹن کی یہ فکر اس ترقیاتی ماڈل سے مکمل انحراف کرتی ہے جس میں ترقی کا پیمانہ صرف جی ڈی پی، صنعتی پیداوار یا صارفیت ہے۔ ان کے نزدیک ترقی ایک **جامع انسانی عمل** ہے جس میں معیشت، اخلاق، روحانیت اور فطرت کا باہمی ربط ناگزیر ہے۔ یہی وہ فکر ہے جو ہمیں ایک ایسے مستقبل کی طرف رہنمائی فراہم کرتی ہے جو انسانی، سماجی اور ماحولیاتی سطح پر متوازن، ہم آہنگ اور پائیدار ہو۔
کورٹن کا ماننا ہے کہ یہ تبدیلی **ریاست یا عالمی اداروں سے نہیں آئے گی** بلکہ اسے **شہری سماج، عوامی تحریکوں، اور مقامی اداروں** کے ذریعے نیچے سے اوپر کی طرف ابھرنا ہوگا۔ ان کے مطابق:

"اصل قیادت وہ ہے جو سماج کے اندر سے پیدا ہو، اور فطرت، انسان اور معاشرہ تینوں کے درمیان توازن کو ممکن بنائے۔"(12)

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

یہ بات انھیں صرف ایک ماہر معیشت نہیں بلکہ ایک **فکری مصلح** کے طور پر ممتاز کرتی ہے۔اس مقالہ میں ہم نے ڈیوڈ کورٹن کی فکر کی روشنی میں عالمگیر معیشت، کارپوریٹ طاقت اور ماحولیاتی بحران کا تنقیدی جائزہ لیا۔ کورٹن نے جدید سرمایہ دارانہ معیشت کی اُس تہہ در تہہ ساخت کو بے نقاب کیا ہے جو بظاہر ترقی اور خوشحالی کا وعدہ کرتی ہے، مگر در حقیقت انسان، فطرت اور معاشرتی ہم آہنگی کو تباہی کے دہانے پر لے آئی ہے۔ان کے مطابق عالمگیر معیشت کا موجودہ ماڈل نہ صرف انسانی اقدار کا مخالف ہے، بلکہ ماحولیاتی لحاظ سے بھی غیر پائیدار ہے۔

یہ نظام طاقتور کارپوریشنز، مالیاتی اداروں اور پالیسی سازوں کے درمیان ایک گٹھ جوڑ پر قائم ہے، جہاں عوامی مفاد، شفافیت اور فطرت سب کچھ قربان کر دیا گیا ہے۔اس مضمون نے یہ واضح کیا کہ کارپوریٹ طاقت نے ریاستی اداروں کو اپنی گرفت میں لے کر عوامی نمائندگی، جمہوریت، اور ثقافتی آزادی کو بھی مجروح کیا ہے۔

ایلون ٹافلر کی "تیسری لہر" جدید دنیا کی تکنیکی اور معلوماتی بنیادوں پر مبنی ترقی کا پر امید خاکہ پیش کرتی ہے، جب کہ کورٹن اسی تبدیلی کو شک وشبے سے دیکھتے ہیں۔کورٹن کے مطابق ڈیجیٹل اور معلوماتی معیشت نے طاقت کو مزید مرتکز کر دیا ہے، اور انسان کو مصنوعی ترقی کے نام پر ایک نئے استحصالی نظام کا شکار بنا دیا ہے۔

یہ تقابل ظاہر کرتا ہے کہ ترقی کے ایک ہی دور کو کس طرح ایک مفکر مستقبل کی نوید کے طور پر دیکھتا ہے، جب کہ دوسرا مفکر اسی عمل کو اخلاقی، ماحولیاتی اور انسانی خطرہ تصور کرتا ہے۔

کورٹن کی فکر صرف تنقید پر مبنی نہیں بلکہ وہ ایک **متبادل وژن** بھی پیش کرتے ہیں جو جدید دنیا کو ایک نئی اخلاقی، ماحولیاتی اور معاشرتی بنیاد فراہم کر سکتا ہے۔ یہ وژن چند بنیادی اصولوں پر استوار ہے۔ سب سے پہلے، وہ ایسی **زندگی پر مرکوز معیشت** (Life-centered Economy) کے قائل ہیں جو صرف منافع نہیں بلکہ انسان، معاشرت اور فطرت کے احترام کو ترجیح دے۔ان کے مطابق ترقی کا مقصد صرف جی ڈی پی یا صنعتی پیداوار نہیں بلکہ ایک ایسا توازن ہونا چاہیے جو انسانی وقار، ماحولیاتی توازن اور سماجی انصاف کو برقرار رکھے۔

اس وژن کی دوسری بنیاد **روحانی بیداری** ہے، جو انسان کو کائنات، فطرت اور دوسرے انسانوں سے جوڑتی ہے۔ کورٹن کا ماننا ہے کہ جب تک انسان خود کو ایک بڑی کائناتی حقیقت کا حصہ نہیں سمجھے گا، وہ ذمہ دارانہ طرزِ زندگی اختیار نہیں کرے گا۔ تیسرا اصول **مقامی خود انحصاری** ہے، جس کے مطابق ترقی کا آغاز نچلی سطح سے ہونا چاہیے۔ ہر کمیونٹی کو اپنے مقامی وسائل کے مطابق پائیدار ترقی کا ماڈل تشکیل دینا ہوگا تاکہ عالمی نظام میں مقامی شناخت محفوظ رہ سکے۔ آخری اور اہم اصول **جمہوری شرکت** ہے، جس میں عوامی رائے، مقامی اداروں اور سول سوسائٹی کی مکمل شمولیت کو مرکزی حیثیت حاصل ہو۔

یہ متبادل وژن ایک ایسی دنیا کا نقشہ پیش کرتا ہے جہاں طاقت کی مرکزیت کے بجائے **شرکت**، مقابلے کے بجائے **تعاون**، اور منافع کے بجائے **خدمت** کو ترقی کی بنیاد بنایا جاتا ہے۔اس وژن کے تحت تشکیل دیا گیا معاشرہ زیادہ باوقار، ہم آہنگ، اور فطرت دوست ہوگا۔

اس تناظر میں اس تحقیق کی بنیاد پر چند **عملی سفارشات** بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ اول، قانون سازی کے ذریعے کارپوریٹ اداروں پر سخت ماحولیاتی اور اخلاقی ضابطے نافذ کیے جائیں تاکہ ان کے رویوں کو انسان دوست بنایا جا سکے۔ دوم، تعلیم کے ذریعے افراد میں سماجی اور ماحولیاتی شعور بیدار کیا جائے تاکہ وہ صارف کے بجائے شہری بن سکیں۔ سوم، مقامی معیشت کو زرعی، ماحولیاتی اور ثقافتی بنیادوں پر استوار کیا جائے تاکہ عالمی انحصار سے نجات حاصل ہو۔ چہارم، سول سوسائٹی کو فعال اور محفوظ بنایا جائے تاکہ وہ متبادل ماڈلز پر کام کر سکیں۔ اور پنجم، ترقی کے تمام عمل میں **روحانی اور اخلاقی تربیت** کو شامل کیا جائے تاکہ انسان کی مادی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کے باطن کی تطہیر بھی ممکن ہو۔

یہ تحقیق اس امر کی غماز ہے کہ موجودہ عالمی نظام کی خامیاں کسی ایک سطح پر نہیں بلکہ **نظامی، نظریاتی اور روحانی سطحوں** پر پائی جاتی ہیں۔ ڈیوڈ کورٹن کی فکر ہمیں اس بحران کو سمجھنے کا ایک گہرا تنقیدی زاویہ فراہم کرتی ہے، اور ساتھ ہی ایک نئی دنیا کے امکان کی امید بھی دلاتی ہے—ایک ایسی دنیا جو انسانیت، فطرت اور روحانیت کے درمیان توازن پر قائم ہو۔

حوالہ جات

1. جمال، انور. *نظریۂ فلسفہ: تین ہزار سالہ مغربی دانش کا اجمال*۔ اسلام آباد: نیشنل بکس فاؤنڈیشن، 2021، ص 221۔
2. Giddens, Anthony. *Modernity and Self-Identity: Self and Society in the Late Modern Age*. Cambridge: Polity Press, 1991.

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

3. Korten, David. *When Corporations Rule the World*. San Francisco: Berrett-Koehler Publishers, 1995.

4. کوٹن، ڈیوڈ۔ دنیاپر کارپوریشنوں کی حکمرانی۔ ترجمہ: حمید زمان۔ کراچی: شوکت گاہ، 2004، ص134۔

5. کمال، ''مدینہ سٹی مال،'' ص94۔

6. [2]کوٹن، دنیاپر کارپوریشنوں کی حکمرانی، ص189۔

7. Toffler, Alvin. *The Third Wave*. New York: Morrow, 1980.

8. کمال، ''مدینہ سٹی مال،'' ص89۔

9. [3] کوٹن، دنیاپر کارپوریشنوں کی حکمرانی، ص233۔

10. Korten, David. *When Corporations Rule the World*

11. کمال، ''مدینہ سٹی مال،'' ص69۔

12. Korten, David. *When Corporations Rule the World*.۔